کیا قرآنِ مجید کے بتائے ہوئے معنی کی بجائے قِبۡلَةَ کے معنی اور مفہوم "سمت اور جہت" تسلیم کیے جاسکتے ہیں؟

لغت میں اَلۡقِبۡلَةَ کے معنی عام طور پر کچھ یوں ملتے ہیں

"اس لفظ کے اصلی معنی جہت یا سمت کے ہوتے ہیں لیکن عرف عام میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس کی طرف نماز میں رخ کیا جائے (تاج، محیط)۔ جسے سامنے رکھا جائے۔ جو "پیش نظر" رہے۔ جو مقصود نگاہ یا نصب العین ہو"۔ "کعبہ کا رخ جو نماز میں سامنے ہوتا ہے۔ سامنے کا رخ۔ محاورہ ہے "اَینَ قِبلَتُکَ" یعنی "تمہارا رخ کدھر کو ہے"۔ جو چیز منہ کے سامنے ہو اسے بھی قبلہ کہتے ہیں۔ نماز پڑھنے والے کے منہ کے سامنے کعبہ ہوتا ہے اس لئے کعبہ کو بھی قبلہ کہتے ہیں"۔

قرآنِ مجید نے قِبۡلَةَ کے یہ معنی اور مفہوم قطعی بیان نہیں کئے۔ قرآنِ مجید نے تو اس کا مقصد، معنی اور مفہوم یہ بتائے ہیں

وَإِذۡ جَعَلۡنَا ٱلۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

"اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لوٹنے، رجوع کرنے کی جگہ بنایا" (حوالہ البقرۃ-۱۲۵)۔

وُضِعَ لِلنَّاسِ یہ لوگوں کیلئے مقرر کر دیا گیا أَوَّلَ بَيۡتٍ ہے

وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلۡبَيۡتِ مَنِ ٱسۡتَطَاعَ إِلَيۡهِ سَبِيلًاۚ

"اور اللہ کی خاطر ان لوگوں پر جو اس تک راہ پانے کی استطاعت رکھتے ہیں اس گھر کا حج کرنا لازم ہے" (حوالہ آلِ عمران-۹۶،۹۷)

جَعَلَ ٱللَّهُ ٱلۡكَعۡبَةَ ٱلۡبَيۡتَ ٱلۡحَرَامَ قِيَٰمًا لِّلنَّاسِ

"اللہ نے کعبہ، حرمت و تقدیس والے گھر کو لوگوں کے قیام کیلئے مقرر کیا ہے" (حوالہ المائدہ-۹۷)

وَطَهِّرۡ بَيۡتِيَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلۡقَآئِمِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ

"میرے گھر کو صاف ستھرا رکھیں طواف، اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے" (حوالہ الحج-۲۶)

قرآنِ مجید نے قِبۡلَةَ کے معنی اور مفہوم سمت اور جہت نہیں بتائے اور نہ ہی یہ کہا ہے کہ قِبۡلَةَ کے معنی وہ جگہ ہے جس کے رخ پر نماز میں چہرہ کیا جاتا ہے۔ أَوَّلَ بَيۡتٍ ٱلۡكَعۡبَةَ اپنے آپ میں عظمتوں، رفعتوں، حرمت، عزت کا حامل ہے۔

سمت، جہت، رخ کی اہمیت اور فضیلت یہود و نصاریٰ کی اختراع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ سمت اور رخ اہم نہیں کیونکہ وَلِلَّهِ ٱلۡمَشۡرِقُ وَٱلۡمَغۡرِبُۚ "اور اللہ کیلئے ہیں مشرق و مغرب فَأَيۡنَمَا تُوَلُّواْ فَثَمَّ وَجۡهُ ٱللَّهِۚ اس لئے تم جدھر بھی منہ کرو گے ادھر اللہ ہی کی ذات ہے"۔ (حوالہ البقرۃ-۱۱۵)

قِبۡلَةً کا ''ق ب ل'' ہے۔ابن فارس نے کہاہے کہ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز کا دوسری چیز کے آمنے سامنے ہوناہیں۔ کھلم کھلا، روبرو، متقابل، face to face۔ کیا قرآنِ مجید ابن فارس کی تائید کرتا ہے؟

وَحَشَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ كُلَّ شَيۡءٍ قُبُلًا

''اور ہم ان کے (قُبُلًا) سامنے، روبرو (before their very eyes) ہر چیز اکٹھی کر دیتے'' (حوالہ الانعام۔۱۱۱)

إِن كَانَ قَمِيصُهُۥ قُدَّ مِن قُبُلٍ ''اگر اس کی قمیص سامنے (قُبُلٍ) سے پھٹی ہو'' (یوسف۔۲۶)

وَإِن كَانَ قَمِيصُهُۥ قُدَّ مِن دُبُرٍ اور اگر اس کی قمیص پیچھے (دُبُرٍ) سے پھٹی ہو'' (یوسف۔۲۷)

أَوۡ يَأۡتِيَهُمُ ٱلۡعَذَابُ قُبُلًا

''یا عذاب ان کے (قُبُلًا) آمنے سامنے آن موجود ہو'' (حوالہ الکہف۔۵۵)

فَلَمَّا رَأَوۡهُ عَارِضًا مُّسۡتَقۡبِلَ أَوۡدِيَتِهِمۡ

''افق پر ایک غبار کو اپنی وادیوں کی طرف آتے (روبرو) دیکھا'' (حوالہ الاحقاف۔۲۴)

عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَٰبِلِينَ

''تختوں پر آمنے سامنے (متقابل بیٹھے) ہوں گے'' (حوالہ الحجر۔۴۷، الصافات۔۴۴)

مُّتَّكِـِٔينَ عَلَيۡهَا مُتَقَٰبِلِينَ ﴿١٦﴾

(جڑاؤ تختوں پر۔۱۵) ''ایک دوسرے کے متقابل تکیے لگائے ہوں گے'' (الواقعۃ۔۱۵۔۱۶)

ایک دوسرے سے سوال جواب کرنے کیلئے بھی آمنے سامنے ہونا پڑتا ہے

وَأَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ يَتَسَآءَلُونَ ﴿٢٧﴾

''اور بعض ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہو کر سوال جواب کر رہے ہیں'' (من وعن ایک جیسی الصافات۔۲۷ اور الطور۔۲۵)

فَأَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ﴿٣٠﴾

''پھر ان میں سے بعض بعض دوسروں کے سامنے ہو کر ملامت کرنے لگے'' (القلم۔۳۰)

ان آیات مبارکہ سے واضح ہوگیا کہ مادہ ''ق ب ل'' کے بنیادی معنی کسی چیز کا دوسری چیز کے آمنے سامنے ہوناہیں۔ کھلم کھلا، روبرو، متقابل، face to face ہوناہیں۔ آمنے سامنے ہی کے معنی اور مفہوم میں سورۃ یوسف کی آیت ۲۶۔۲۷ میں قُبُلٍ ''سامنے'' کے متضاد دُبُرٍ ''پیٹھ، پیچھے'' آیا ہے۔ دُبُرٍ متقابل، آمنے سامنے، روبرو نہیں ہوتی۔ قَبۡلُ زمانے کے حوالے سے بَعۡدُ کی ضد ہے اور کہا یہ جاتا ہے کہ ''مادہ ''ق ب ل'' کے بنیادی معنی کے تحت نہیں آتا۔ لہٰذا وہ خلاف قیاس ہے اگرچہ یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ جو چیز پہلے واقع ہوتی ہے وہ زمانے کے سامنے آرہی ہوتی ہے۔ لیکن یہ توجیح قرین قیاس نظر نہیں آتی'' (ابن فارس بحوالہ لغات القرآن۔علامہ پرویز احمد)۔

عربی زبان کے مادہ سے بنے ہوئے لفظوں میں مادہ کے بنیادی معنوں کا غلبہ رہتا ہے۔ مادہ ''ق ب ل'' کے بنیادی معنی آمنے سامنے، روبرو ہونا ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ متقابلین ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ دُبُـــــرٍ متقابل نہیں ہوتی۔ جب یہ زمانے کے حوالے سے استعمال ہوتا ہے تو بیتا ہوا کل، زمانہ انسان کے روبرو ہوتا ہے جب کہ بَعْدُ یعنی آنے وال کل، زمانہ پنہاں، نظروں سے اوجھل ہے۔ مادہ ''ب ع د'' کے معنی دوری ہے اور قُرب کی ضد ہے۔ قریب بمقابلہ بعید (حوالہ الانبیاء۔۱۰۴)۔ قرب بصارتوں کے احاطہ میں ہونے کا اظہار ہے اور دوری، بعید شئے کو نگاہوں سے اوجھل کر دیتی ہے۔ بیتے ہوئے کل کی تصدیق کی جاتی ہے اور آنے والے کل کے متعلق خبر دار کیا جاتا ہے اور خوشخبری دی جاتی ہے۔ بیتا ہوا کل سامنے، روبرو ہوتا ہے جس کی تصدیق کی جاتی ہے جو اسے مستند بنا دیتی ہے۔

وَهَـٰذَا كِتَـٰبٌ أَنزَلۡنَـٰهُ مُبَارَكٌ ''اور یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے، اسے ثبات اور دوام ہے۔

مُّصَدِّقُ ٱلَّذِى بَيۡنَ يَدَيۡهِ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے''۔ ''قرآنِ مجید کے سامنے'' کے معنی اور مفہوم مِن قَبۡلُ ہیں جو توریت اور انجیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا نَزَّلَ عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَـٰبَ بِٱلۡحَقِّ ''اس نے (اے رسولِ کریم) آپ (ﷺ) پر حق پر مبنی کتاب نازل فرمائی ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ یہ اس کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے سامنے ہے۔ وَأَنزَلَ ٱلتَّوۡرَٮٰةَ وَٱلۡإِنجِيلَ ۝ اور توریت اور انجیل نازل فرمائی تھیں۔

مِن قَبۡلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ ٱلۡفُرۡقَانَ اس کتاب سے قبل (زمانے کے) لوگوں کی (ہدایت اور) راہنمائی کیلئے۔ اور (آپ ﷺ پر) فرقان نازل فرمایا'' (حوالہ آلِ عمران۔۳۔۴)۔ آقائے نامدار ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ ان کے ذمہ اپنے سے قبل موت پا جانے والے رسول عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر سب سے اول رسول اور کتاب کی تصدیق کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے دنیا کو بتایا کہ انہوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے بَلۡ جَآءَ بِٱلۡحَقِّ وَصَدَّقَ ٱلۡمُرۡسَلِينَ ﴿٣٧﴾ ''نہیں! حقیقت یہ ہے کہ وہ الحق (قرآنِ مجید) کے ساتھ آئے ہیں اور انہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے'' (سورۃ الصافات۔۳۷)۔

مادہ ''ق ب ل'' سے ہی ایک لفظ أَقۡبَلُوا۟ ہے جس کے معنی ہیں ''وہ لوگ پلٹ آئے'' (حوالہ یوسف۔۷۱)۔ سورۃ یوسف ہی کی آیت ۸۲ میں أَقۡبَلۡنَا آیا ہے ''ہم پلٹ کر آئے ہیں''۔ القصص کی آیت ۳۱ میں بتایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی چھڑی کو سانپ بنتے دیکھ کر پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تو رب العزت نے انہیں پکارا:

يَـٰمُوسَىٰٓ أَقۡبِلۡ وَلَا تَخَفۡ ۖ ''اے موسیٰ! پلٹ آ اور ڈر مت''۔ یہ واضح ہے کہ جس مقام سے بھاگے ہیں اسی مقام پر پلٹنے کیلئے کہا جائے گا۔ فَتَوَلَّوۡا۟ عَنۡهُ مُدۡبِرِينَ ﴿٩٠﴾ ''پھر لوگ پیٹھ پھیر کر ان کے پاس سے مڑ گئے''۔ ابراہیم علیہ السلام کے پاس

سے لوگ پیٹھ پھیر کر چلے گئے فَأَقۡبَلُوٓاْ إِلَيۡهِ يَزِفُّونَ ٩٤ ''پھر وہ ان کے پاس بھاگتے ہوئے پلٹ کر آئے'' (الصافات ۹۰،۹۴)

اس طرح واضح ہے کہ قرآنِ مجید نے لفظ أَقۡبِلۡ کے معنی ''پلٹ آنا، لوٹ آنا'' بتائے ہیں۔ اور اس میں بھی مادہ ''ق ب ل'' کے بنیادی معنی اور مفہوم ''آمنے سامنے ہونا'' موجود ہیں۔ ''فَأَقۡبَلَتِ ٱمۡرَأَتُهُۥ فِي صَرَّةٍ تو ان (ابراہیم علیہ السلام) کی بیوی سمٹی سمٹائی (مہمان فرشتوں کے) سامنے آئیں'' (حوالہ الذاریات۔۲۹)

ٱلۡقِبۡلَةَ کے معنی چہرے کو کسی خاص جہت، سمت، رخ میں کرنا کیسے اور کہاں سے اخذ کر لئے گئے؟ شاید یہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں لفظ '' قِبَلَ '' سے اخذ کئے گئے۔ قرآنِ مجید میں مادہ ''ق ب ل'' سے بنے ہوئے الفاظ تین سو سے زائد مرتبہ آئے ہیں۔ لیکن '' قِبَلَ '' تین بار استعمال ہوا ہے۔

لَّيۡسَ ٱلۡبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ قِبَلَ ٱلۡمَشۡرِقِ وَٱلۡمَغۡرِبِ ''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی سمت، رخ پر کرو''۔ (حوالہ البقرۃ۔۱۷۷)۔ اس میں تُوَلُّواْ کے معنی کسی کی طرف رخ کرنا کئے جاتے ہیں، چہرے اور سمتیں مشرق اور مغرب کے مابین '' قِبَلَ '' کے معنی ''سمت'' اور ''رخ'' لئے جاتے ہیں۔ انسان مشرق سے اپنے چہرے کا رخ مغرب کی جانب نہیں کر سکتا۔ اس کی گردن مشرق سے مغرب کی جانب تک نہیں گھوم سکتی۔ مشرق سے مغرب کی سمت میں ہونے کیلئے اسے اپنے آپ کو پلٹنا پڑتا ہے۔ اور جس جانب بھی وہ اپنے آپ کو پلٹ لیتا ہے وہ اس سمت، جہت، رخ کے روبرو، آمنے سامنے، متقابل ہوتا ہے۔ اور تُوَلُّواْ کے معنی اور مفہوم محض رخ کرنا نہیں بلکہ روبرو ہونا یا پلٹ جانا ہے۔ تُوَلُّواْ میں بھی قُبُلٍ ہے یا دُبُرٍ ہے۔ چہرے کا رخ دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں کیا جا سکتا ہے لیکن مشرق سے مغرب نہیں اور مغرب سے مشرق نہیں اور نہ ہی شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال کیا جا سکتا ہے۔ اور یوں واضح ہے کہ قرآنِ مجید نے اس آیت مبارکہ میں '' قِبَلَ '' کے معنی وہی بیان کئے ہیں جو ابن فارس نے سمجھے تھے۔ ابن فارس نے کہا کہ اس کے بنیادی معنی '' کسی چیز کا دوسری چیز کے آمنے سامنے ہونا ہیں ''

قرآنِ مجید کی زبان عربی مبین کی وسعت اور جامعیت اس قدر ہے کہ ہم عجمیوں کیلئے اس کے الفاظ کی وسعتوں کو سمیٹنا اتنا آسان نہیں لیکن یہ اتنا مشکل اور پیچیدہ بھی نہیں بشرطیکہ ہم کتاب کو ویسے ہی پڑھیں جیسے کتاب کو پڑھنے کا حق ہوتا ہے یعنی کتاب کی بات اور ہمارے ذہن کے درمیان خارج کی کوئی بات حائل نہ ہو۔ اگر ہم خارج کی باتوں کو ذہن میں رکھ کر انہی کے حوالے سے کتاب کو پڑھیں گے تو حقیقت میں ہم کتاب کی بات کو نہیں سن رہے ہوں گے بلکہ اپنی بات کیلئے اس میں کوئی سہارا یا جواز تلاش کر رہے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کی لسان، زبان عربی کو ایک انفرادیت اور فضیلت حاصل ہے۔ میرے آقا کو کائنات میں

تمام سے افضلیت حاصل ہے اور میرے آقا کے ساتھ جو شئے بھی جڑی ہے، منسوب ہے وہ افضل، بلند تر ہے

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَـٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ ٱلْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِۦ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾ ''اور ہم نے اس (قرآنِ مجید) کو آپ (ﷺ) کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے متقین کو خوشخبری دیں اور حق سے ہٹے ہوئے (جھگڑالو، خودسر) لوگوں کو خبردار کریں'' (سورۃ مریم۔۹۵)۔ میرے آقا کی زبان میں نازل فرمائے گئے قرآنِ مجید کو عرب وعجم سب کے سمجھنے کیلئے آسان اور سہل بنایا گیا ہے ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ۔ ''يَسَّرْ'' کا مادہ ''ی س ر'' ہے اور اس کے معنی ہیں نرمی، سہولت، آسانی، فراخی، کشائش آسودگی۔ ابن فارس نے اس کے معنی کھل جانا اور ہلکا پھلکا ہونا بتائے ہیں۔ قرآنِ مجید سمجھنے کیلئے یقیناً آسان ہے۔ ارشاد فرمایا فَإِنَّمَا يَسَّرْنَـٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ ''ہاں! ہم نے اس (قرآنِ مجید) کو آپ (ﷺ) کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ وہ لوگ (یاد رکھیں) نصیحت لیں'' (الدخان۔۵۸)۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝ ''اور یقیناً ہم نے قرآن (مجید) کو سمجھنے اور نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، اب ہے کوئی نصیحت لینے والا!'' (سورۃ القمر آیت ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

کتابِ لاریب نہ صرف زمان ومکان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے بلکہ اس کے وجود پذیر ہونے سے قبل اور لپیٹ دیئے جانے کے بعد پیش آنے والے حقائق کو بھی واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ اس لئے قرآنِ مجید اپنے الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم، حدود، گہرائی اور وسعت کا تعین بھی خود کرتا چلا جاتا ہے۔ اپنی بات کو خارجی ذرائع کی صوابدید پر نہیں چھوڑتا۔ قرآنِ مجید ''قِبَلَ'' کے معنی ایک بار پھر یوں بتاتا ہے

ٱرْجِعْ إِلَيْهِمْ فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا

''ان کے پاس لوٹ جاؤ (اور بتا) کہ ہم ان پر ایسے لشکر لائیں گے جن کا وہ سامنا نہ کرسکیں گے'' (حوالہ النمل۔۳۷)۔ لشکر آمنے سامنے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ ''قِبَلَ'' کے معنی رخ، سمت، جہت نہیں بتائے۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ پر درود وسلام ہے ہر لمحہ صبح وشام۔ انہیں مانو یا نہ مانو لیکن ایک دن شفاعت کی خواہش اور طلب میں یہ ہوگا

فَمَالِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿٣٦﴾ عَنِ ٱلْيَمِينِ وَعَنِ ٱلشِّمَالِ عِزِينَ ﴿٣٧﴾

مگر ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ (ﷺ) پر نگاہیں جمائے آپ کی طرف چلے آرہے ہیں۔ دائیں سے اور بائیں سے، ٹولیوں میں؟

أَيَطْمَعُ كُلُّ ٱمْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿٣٨﴾

کیا ان میں سے ہر شخص یہ آرزو کرتا ہے کہ اسے نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے؟'' (المعارج۔۳۶۔۳۸)

دوستو! میرے اور اپنے آقا کی شفاعت کے خواہشمند اور طلبگار آج بنو۔ اس دن تو ان کے چہرہ مبارک کو اپنے روبرو رکھتے ہوئے ان کی دائیں اور بائیں طرف سے آنے والے کافر بھی پلکیں نہ جھپکائیں گے۔

قِبۡلَةً اول کی عظمت یہ ہے کہ ہجرت کی وجہ سے اس سے جدا ہونے اور تولیت مشرکین مکہ کے ہاتھوں میں رہ جانے نے میرے آقا کے قلب مبارک کو اتنا مضطرب اور بے چین کیا کہ قَدۡ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى ٱلسَّمَآءِ (اے رسولِ کریم) بے شک ہم آپ (ﷺ) کے آسمان کی طرف اٹھتے چہرے کو دیکھ رہے ہیں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضَٮٰهَا اس لئے (ہمارا وعدہ ہے) ہم آپ کو آپ کی چاہت والے قبلہ کی تولیت جلد عطا کردیں گے'' (حوالہ البقرۃ ۔۱۴۴)۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ کا مادہ ''و ل ی'' ہے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی کے قریب اور نزدیک ہونا ہے۔ قرب کے اعتبار سے ساتھی اور مددگار کو کہتے ہیں۔ کسی چیز کو اپنے قبضہ قدرت میں لے لینے اور کسی معاملہ پر غالب آجانا۔ رہنما، نگران و ناظم اور حاکم۔ کسی شئے اور مقام کے حوالے سے کسی کو اس کا ''و ل ی'' بنانے کے معنی اور مفہوم اسے اس کا منتظم اور متولی بنانا اور اس شئے اور مقام کے حوالے سے متعلقہ امور کو سرانجام دینے کی ذمہ داری سونپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ٱلۡكَعۡبَةَ کی تعمیر پر ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کو اس کے ''متولی'' بنایا تھا اور اس کی ذمہ داری انہیں سونپی تھی

أَن طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآٮِٕفِينَ وَٱلۡعَـٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ

''کہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک وصاف رکھنا'' (حوالہ البقرۃ ۔۱۲۵)

''ولی'' سرپرست (guardian) کو کہتے ہیں (حوالہ البقرۃ ۔۲۸۲)

آیت مبارکہ کی اس بات فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضَٮٰهَا کے معنی اور مفہوم ''متولی۔ منتظم'' الانفال کی ۳۴ اور التوبہ کی آیت ۱۹ سے واضح ہیں (اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان لوگوں پر عذاب بھیجتا جب آپ ﷺ ان میں موجود تھے۔ الانفال ۔۳۳)

وَمَا لَهُمۡ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ ٱللَّهُ وَهُمۡ يَصُدُّونَ عَنِ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ وَمَا كَانُوٓاْ أَوۡلِيَآءَهُ ۥۤ

''مگر (اب آپ کی ہجرت کے بعد) ان میں کیا بات ہے کہ اللہ انہیں عذاب نہ دے اور وہ مسجد الحرام سے روکتے ہیں

اور وہ اس کے متولی نہیں'' (حوالہ الانفال ۔۳۴)

جن کے متعلق کہا کہ وہ مسجد الحرام کے أَوۡلِيَآءَ (ولی کی جمع) نہیں وہ کرتے کیا تھے؟

أَجَعَلۡتُمۡ سِقَايَةَ ٱلۡحَآجِّ وَعِمَارَةَ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ

''کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد الحرام کا انتظام کرنے کو ایسا سمجھ لیا ہے'' (حوالہ التوبہ ۔۹)

مسجد ایک جگہ، مقام کا نام ہے اور اس کے منتظمین کو اس مسجد کے أَوۡلِيَآءَ کہا گیا جس سے واضح ہے کہ اس پر ان کا غلبہ ہے اور ان کے قبضہ قدرت میں ہے۔ قرآنِ مجید کی زبان عربی مبین کی وسعت اور جامعیت اس قدر ہے کہ ہم عجمیوں کیلئے اس کے الفاظ کی وسعتوں کو سمیٹنا اتنا آسان نہیں۔ تراجم اور تفسیر کے ذریعے بات کو سمجھتے ہوئے بعض اوقات تشنگی اور الفاظ کے معنی اور مفہوم میں تضاد محسوس ہوتا ہے کیونکہ عجمی زبان کے ایسے الفاظ استعمال کر دیئے جاتے ہیں جو ایک جامد مفہوم اور تصور کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ عربی زبان کے الفاظ ایک مادہ (Root-Concept) سے نکلتے ہیں اس لئے ان تمام کا تعلق، رشتہ، مفہوم، اصل ہمیشہ اس ''جڑ'' (مادہ، Root) سے وابستہ اور برقرار رہتا ہے جس سے ان نے وجود لیا۔

مادہ شئے اور مکان (جگہ، مسجد، کعبہ) کے أَوۡلِيَآءَ کہنے سے ان دونوں کے مابین جس تعلق، رشتے، واسطے کا اظہار ہوتا ہے بالکل وہی اظہار اس وقت بھی ہوتا ہے جب ہم ایک ذی حیات کیلئے کسی دوسری شئے یا ذی حیات کو أَوۡلِيَآءَ بنانے کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔ غلبہ، مدد، سرپرستی، رہنمائی پانے کی خواہش أَوۡلِيَآءَ بنانے کا مقصد ہے۔

وَمَا جَعَلۡنَا ٱلۡقِبۡلَةَ ٱلَّتِى كُنتَ عَلَيۡهَآ ''اور ہم نے مقرر نہیں کیا اس کو قِبۡلَةَ جس ٱلۡقِبۡلَةَ پر آپ (ﷺ) ہمیشہ سے تھے'' (حوالہ البقرۃ۔۱۴۳)۔ جَعَلۡنَا ماضی کا صیغہ جمع متکلم ہے ''ہم نے مقرر کر دیا''۔ مدینہ منورہ میں بنی اسحاق کیلئے بھی قِبۡلَةَ مقرر ہو چکا تھا۔ مدینہ منورہ میں تمام ایمان لے آنے والوں کو امتِ وسط مقرر کرنے کے لئے کعبہ کو ان کے لئے قبلہ اس وقت مقرر کیا گیا جب اس پر کنٹرول اور تولیت مشرکینِ مکہ کے پاس تھی۔ کیا یہ عجیب بات نہیں تھی کہ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ، قِيَـٰمًا لِّلنَّاسِ، ٱلۡقِبۡلَةَ ایک ایسے مقام کو قرار دے دیا جائے جہاں نہ تو وہ لوگ موجود ہوں اور نہ ہی اسکی تولیت اور انتظام ان کے پاس ہو اور جہاں جانے کے لئے دوسروں کی مرضی اور اجازت درکار ہو؟ اور بنی اسحاق کیلئے بھی مقرر کئے جانے پر ٱلۡقِبۡلَةَ کی عدم تولیت کی وجہ سے پریشانی اور فکر میں اضافہ ہونا ایک فطری بات اور وجہ تھی جو آقائے نامدار ﷺ کے اس انداز سے واضح ہے

قَدۡ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى ٱلسَّمَآءِ ۖ ''بے شک ہم آپ (ﷺ) کے بار بار آسمان کی طرف اٹھتے چہرے کو دیکھ رہے ہیں۔ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضَٮٰهَا ۚ اس لئے (ہمارا وعدہ ہے) ہم آپ کو آپ کی چاہت والے قبلہ کی تولیت جلد عطا کر دیں گے''

سَاعَةِ ٱلۡعُسۡرَةِ ایک مشکل دور میں بے سروسامانی کی حالت میں اپنے علاقے سے ہجرت کر کے دیارِ غیر میں آن بسنے والا جب کسی سے یہ کہے کہ ہم جلد ہی ٱلۡكَعۡبَةَ کے متولی ہو جائیں گے تو وہ اسے خواب خیالی قرار دے گا کیونکہ یہ مکہ فتح کرنے کا دعویٰ کرنے کے مترادف تھا۔ لیکن یہ اللہ کا وعدہ تھا اور جب اللہ کا وعدہ پورا ہوتا ہے تو یہی اس کی نشانی بنتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کو واضح کر دیا کہ اس ایک نشانی نے اہلِ کتاب پر کیا اثر کرنا تھا

وَلَئِنۡ أَتَيۡتَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ بِكُلِّ ءَايَةٍ مَّا تَبِعُواْ قِبۡلَتَكَۚ

''اور اگر آپ (ﷺ) تمام نشانیاں لے آئیں تو بھی اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ من حیث القوم)

آپ (ﷺ) کے قبلہ کو نہیں مانیں گے''۔ (حوالہ البقرۃ۔۱۴۵)

اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ سے کیے ہوئے وعدے کو وفا کر دیا اور فتح مکہ کے ذریعے مسجد الحرام کی تولیت ہمیشہ کے لئے متقین کو عطا فرما کر اہل کتاب کو یہ نشانی دکھا دی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ہر بات ایک اٹل حقیقت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے دیکھ لیا کہ اہلِ کتاب کی اکثریت نے ان کے قبلہ کو پھر بھی نہیں مانا۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ پر درود و سلام ہے ہر لمحہ صبح و شام۔

أَوَّلَ بَيۡتٍ ٱلۡكَعۡبَةَ ہے اور یہ ٱلۡبَيۡتَ ٱلۡحَرَامَ محترم گھر ہے۔ یہ قِبۡلَةً اول ہے اور حرمت والے شہر مكة المكرّمه میں ہے اور آقائے نامدار ﷺ کو اس سے بے انتہا رغبت اور چاہت ہے۔ اس کی اولیت بھی اس کی حرمت ہے۔ قِبۡلَةً اول کو ہمیشہ قبلہ اول کہنا ہی اس کی حرمت کا پاس کرنا ہے

وَمَن يُعَظِّمۡ حُرُمَٰتِ ٱللَّهِ فَهُوَ خَيۡرٞ لَّهُۥ عِندَ رَبِّهِۦۗ (حوالہ الحج۔۳۰)

''اور جو کوئی عزت و ادب کرتا ہے اللہ کی جانب سے محترم ٹھہرائی ہوئی چیزوں کا تو اللہ کے ہاں یہ بات اس شخص کیلئے بہتر ہے''

اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں کہ ٱلۡكَعۡبَةَ اور ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ ایک دوسرے سے منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ اس لئے قِبۡلَةً اور ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ بھی ایک دوسرے سے منفرد ہیں۔ قِبۡلَةً چونکہ أَوَّلَ بَيۡتٍ ہے اور اس کی تعمیر پر حکم دیا گیا تھا کہ وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبۡرَٰهِـۧمَ مُصَلًّىۖ ''اور اس میں مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کو جائے نماز بنالو'' (حوالہ البقرۃ۔۱۲۵) اور اس طرح دنیا کی پہلی مسجد وجود میں آئی جو ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ ہے۔ یہ دنیا کی منفرد مسجد ہے جس

میں کوئی ایسی سمت نہیں اور سمت کا کوئی ایسا زاویہ نہیں جس کی جانب کسی نمازی کا چہرہ نہ ہو کیونکہ ٱلۡكَعۡبَةَ یعنی قِبۡلَةً ایک مستطیل ٱلۡبَيۡتِ ہے اور نمازیوں میں سے ہر فرد کو اس کے آمنے سامنے، روبرو، متقابل ہونے کیلیئے ایک دائرے میں کھڑے ہونا ضروری ہے۔ اگر نمازی ایک سیدھی قطار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں اور صف کی لمبائی سامنے ٱلۡكَعۡبَةَ کی لمبائی یا چوڑائی سے زیادہ ہو تو اطراف کے نمازی ٱلۡكَعۡبَةَ کے روبرو، آمنے سامنے، متقابل نہیں ہوں گے بلکہ ان کے رخ اس سمت میں ہوں گے جس جانب کعبہ ہے۔ اور یہ بات قِبۡلَةً کے معنی اور مفہوم کے خلاف ہے اس لئے ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ میں قِبۡلَةً اور نمازی کا ایک دوسرے کے بالکل آمنے سامنے ہونے کیلیئے ضروری ہے کہ صف گولائی، دائرے میں بنے۔ یہود و نصاریٰ سمتوں کے قائل ہیں اور اسلام میں سمتوں کیلیئے کوئی ترجیح اور تقدس نہیں۔

ٱلۡكَعۡبَةَ کے اطراف میں اس سے دور ہوتے جائیں تو بھی باجماعت نماز میں ہر نمازی کو اس کے روبرو ہونے کیلیئے ضروری ہوگا کہ ان کی صف دائرے کے انداز میں ہو اگرچہ فاصلہ بڑھنے سے دائرے کا گھیرا بھی پھیلتا چلا جائے گا۔ ٱلۡكَعۡبَةَ کے قِبۡلَةً ہونے کیلیئے ضروری ہے کہ نمازی کا سینہ، سامنا حصہ ٱلۡكَعۡبَةَ کے کسی نہ کسی حصے، دیوار کے عین سامنے ہو۔

ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ سے باہر سیدھی قطار میں کھڑے ہو کر نماز پڑھائی اور پڑھی جاتی ہے اس لئے زمین پر مختلف مقامات پر یہ خدشہ اور احتمال ہمیشہ ہوگا کہ صف کے بعض نمازی قبلہ ٱلۡكَعۡبَةَ کے آمنے سامنے نہ ہوں بلکہ ان کا رخ محض کسی سمت کی جانب ہو گا۔ اور یہ بات فریق مخالف یہود و نصاریٰ کو موقعہ بہم پہنچائے گی کہ اعتراض اور حجت کر سکیں کہ ان کی طرح مسلمان بھی سمتوں کی جانب منہ کرنے کو نیکی سمجھ رہے ہیں۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضَىٰهَا ''اس لئے (ہمارا وعدہ ہے) ہم آپ کو آپ کی چاہت والے قبلہ کی تولیت جلد دیں گے''۔ کسی شئے، مقام، جگہ، ٱلۡبَيۡتِ کی جانب محض اپنا چہرہ کر دینے سے آپ اس کے اولیاء (ولی کی جمع)، متولی نہیں بن سکتے اور نہ کہلا سکتے ہیں۔ ٱلۡكَعۡبَةَ کی قربت اور اولیاء (رفیق، ساتھی) ہونے کا اعزاز جبھی حاصل ہوتا ہے جب انسان وہاں ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ یہ قرار دیتے ہیں وَٱتَّخِذُواْ مِن مَّقَامِ إِبۡرَٰهِـۧمَ مُصَلًّىۖ ''اور اس میں مقامِ ابراہیم (علیہ السلام) کو جائے نماز بنالو''۔ (حوالہ البقرۃ۔۱۲۵) اور مَّقَامُ إِبۡرَٰهِيمَ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ ہے۔ اس طرح واضح ہے کہ ٱلۡكَعۡبَةَ کی

قربت پانے اور اس کے اولیاء بننے کیلئے اَلْمَسْجِدِ الْحَرَام میں جسمانی طور پر موجود ہونا ضروری ہے۔ اور اس بات کا تقاضا تھا کہ بنی اسماعیل کے علاوہ امت وسطا میں شامل ہونے والے مختلف اقوام کے افراد کو بھی اَلْمَسْجِدِ الْحَرَام میں داخلے کی اجازت ہو۔ اور اس تقاضے کو پورا کرنے کیلئے سورۃ الحج کی آیت ۲۵ میں فرمایا

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ

''اور مسجد الحرام سے، جسے ہم نے وہاں رہنے والے اور باہر والے لوگوں کیلئے یکساں مقرر کیا ہے'' (حوالہ الحج۔۲۵)

عربی زبان کے مادہ ''و ل ی'' کی بنیاد قرب، نزدیکی، رفاقت ہے۔ کسی شئے کی قربت اور اس کی جانب چہرہ کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اَلْكَعْبَة ایک محسوس شئے کا نام ہے اور اس کے اولیاء کہلانے کیلئے اس کا قرب یعنی اس کے پاس موجودگی بنیادی شرط ہے۔ اور انسان کو جس شئے کی چاہت، رغبت اور اس سے محبت ہے تو اس شئے سے جب دور ہو تو اپنی چاہت، رغبت اور محبت کا اظہار اس کی جانب چہرہ کر کے کرتا ہے۔ فرمایا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ''آپ (ﷺ) جب مسجد الحرام سے الگ اور دور ہوں تو اپنا چہرہ اس کے روبرو کریں'' (حوالہ البقرۃ۔۱۴۴)۔ شَطْرَ (مادہ ''ش ط ر'') اس حصہ کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے الگ ہو جائے۔ پھر اس کے بعد کسی چیز کی ایک جانب کو کہنے لگے خواہ وہ اس کے ساتھ ہی ملی ہو (محیط)۔ اور اس طرح اس کے معنی کنارہ، طرف، سمت اور جانب، نیز کسی چیز کا بعض حصہ ہو گئے۔ الگ ہو جانے کی جہت سے اس میں دور ہو جانے کا مفہوم بھی ہے چنانچہ الشطِیرُ کے معنی ہیں پردیسی، اجنبی، نیز دور، بعید۔ اہلِ ایمان کو بھی وہی حکم دیا

وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

''اور (اے ایمان والو) تم مسجد الحرام سے الگ اور دور جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے اس کے روبرو کرو'' (حوالہ البقرۃ۔۱۴۴)۔

اَلْكَعْبَة کی تولیت، قرب دینے کا وعدہ اور اس وقت مسجد الحرام سے الگ اور دور ہونے کی بناء پر چہرے کو مسجد الحرام کے سامنے کرنے کا کہا گیا۔ اور وعدہ پورے ہونے کا یقین دلاتے ہوئے بتا دیا کہ آپ ﷺ تمام نشانیاں بھی لا کر اہلِ کتاب کو دکھا دیں تو بھی آپ ﷺ کے قبلہ کو نہیں مانیں گے۔ اور پھر آقائے نامدار ﷺ کے قلب مبارک کے اَلْكَعْبَة سے دوری اور عدم تولیت کے رنج کو یہ حکم دے کر ختم کر دیا وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ''اور آپ (ﷺ) جس جانب سے بھی اس سے نکل کر الگ اور دور ہوں آپ (ﷺ) اپنا چہرہ مسجد الحرام کے روبرو کریں'' (من وعن ایک جیسے الفاظ حوالہ البقرۃ۔۱۴۹،۱۵۰)۔ مسجد الحرام ایک ایسی جگہ ہے جس میں تمام کی تمام سمتوں کی جانب سے انسان خارج ہو سکتا ہے۔ یہ بات صرف آقائے

نامدار ﷺ سے کہی گئی جو ٱلْكَعْبَةَ کا قرب اور ولی بنانے کے وعدے کا ایسا یقین دلاتا تھا جیسے وعدہ پورا ہو چکا۔ اور اہل ایمان کو البقرۃ کی آیت ۱۴۴ میں دیا ہوا حکم من وعن انہی الفاظ میں آیت ۱۵۰ میں دہرایا

وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُۥ ''اور (اے ایمان والو) تم مسجد الحرام سے الگ اور دور جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے اس کے روبرو کرو''

کیا وجہ ہے کہ آقائے نامدار ﷺ اور اہل ایمان کا قِبْلَةَ تو ٱلْكَعْبَةَ ہو لیکن انہیں حکم یہ دیا جائے کہ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ کے روبرو چہرے کرو؟ یہ حکم مشروط ہے اس بات سے کہ آپ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ سے الگ اور دور ہوں وگرنہ جب آپ اس میں موجود ہوں تو آپ اپنے آپ کو ٱلْكَعْبَةَ کے روبرو یوں کرتے ہیں کہ آپ کا سینہ کعبہ کے سامنے اور کعبہ کیلئے آپ سامنے ہوتے ہیں۔ یہ یک طرفہ نہیں دوطرفہ بات ہے اور یہ قِبْلَةَ کے معنی اور مفہوم ہے۔ اور ٱلصَّلَوٰةَ بنیادی طور پر ایک اجتماعی عمل ہے۔ اس کو قائم کرنے کیلئے ایک فرد نے امامت کرانی ہے اور دوسرے افراد نے ایک قطار، صف میں کھڑے ہو کر امام کی پیروی میں نماز ادا کرنی ہے۔ اسی لئے نماز میں پڑھی جانے والی سورۃ الفاتحۃ میں تمام صیغے جمع کے ہیں۔ کوئی بھی فرد تنہا کسی بھی اپنے حجم یا اس سے بڑی شئے کے آمنے سامنے ہو سکتا ہے چاہے وہ اس شئے کے قریب ہو یا اس سے کتنے ہی فاصلے پر ہو۔ لیکن ایک قطار میں کھڑے ہو کر افراد اس انداز میں اس شئے کے آمنے سامنے نہیں ہو سکتے کہ ان میں سے ہر فرد کے عین سامنے وہ شئے ہو اور اس شئے کے سامنے وہ فرد ہو۔ اس لئے افراد کے اجتماع میں ہر فرد کو اس شئے کے آمنے سامنے ہونے کیلئے اپنے آپ کو ایک دائرے کی صورت میں کرنا پڑے گا۔ دائرے میں ہر مقام (نقطے) کا فاصلہ اس کے وسط سے برابر ہوتا ہے لیکن ہر مقام (نقطے) کی سمت، رخ، direction مختلف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ میں اجتماعی نماز میں افراد ایک دائرے میں کھڑے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ہر فرد ٱلْكَعْبَةَ کے سامنے اور ٱلْكَعْبَةَ کے سامنے ہر فرد ہوتا ہے اور یوں سمت سب کی الگ الگ ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان سمتوں کو اہمیت نہیں دیتے اور نہ سمتوں کی جانب چہرے کرنے کو نیکی سمجھتے ہیں۔ اسلئے حکم دیا کہ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ سے الگ اور دور ہونے کی صورت میں چہرہ اس کے روبرو کرو کیونکہ اس سے چاہے کتنے ہی دور دراز مقام پر ہو اور چاہے تمہاری نماز میں صف، قطار کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو تم میں سے ہر ایک ایک انفرادی طور پر بھی اس وجہ سے ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ کے عین آمنے سامنے ہوگا کہ اس کی حدود محترم شہر مکۃ المکرّمہ سے لے کر مدینہ منورہ کے قرب تک محیط ہے۔

اور یوں لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ''تا کہ لوگوں کے پاس تمہارے خلاف کوئی دلیل، نکتہ، حجت نہ رہے''

ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ہماری اس بات لَّيۡسَ ٱلۡبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ قِبَلَ ٱلۡمَشۡرِقِ وَٱلۡمَغۡرِبِ ”نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف کرو“ کے جواب میں یہود و نصاریٰ ہم سے اس معاملے پر جھگڑا اور بحث نہیں کر سکتے کہ دنیا کے ہر ایک مقام پر سمتوں کے حوالے کے بغیر أُمَّةً وَسَطًا کا ہر ایک نمازی ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ کے آمنے سامنے ہوتا ہے اور مسجد الحرام میں موجود ہر ایک نمازی قِبۡلَةً کے آمنے سامنے ہوتا ہے۔ اب اس مسئلے اور نکتے پر وہ ہم سے حجت نہیں کر سکتے سوائے ان ظالموں کے جنہیں حجت برائے حجت میں بھی عار محسوس نہیں ہوتی۔